

Allama Iqbal Open University AIOU FA
solved assignments no 1 Autumn 2025
Code 303 Iqbaliat

سوال نمبر 1 : درج ذیل سوالوں کے مختصر جوابات لکھیے ۔

سوال نمبر 1: اقبال نے محلہ کشمیریاں کے کسی مدرسے میں چند سال عربی کی تعلیم حاصل کی؟

اقبال نے محلہ کشمیریاں، سیالکوٹ کے ایک مشہور مقامی مدرسے میں چند سال تک عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں انہوں نے قرآن پاک، عربی صرف و نحو، اور فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔ یہیں سے ان کے اندر دینی ذوق اور فکری پختگی نے جنم لیا۔ ان کے ابتدائی اساتذہ میں مولوی میر حسن شامل تھے جنہوں نے اقبال کے فکری افق کو وسعت دی اور انہیں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ فارسی و عربی ادب کی گہرائیوں سے روشناس کروایا۔

عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے باعث اقبال کو بعد ازاں قرآنی مفاہیم کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرنے میں آسانی ہوئی۔

سوال نمبر 2: انڈیا ایکٹ کب بنا تھا؟

انڈیا ایکٹ 1935ء میں بنایا گیا تھا۔ یہ برطانوی پارلیمنٹ کی جانب سے ہندوستان کے لیے سب سے جامع آئینی قانون تھا۔ اس ایکٹ کے ذریعے صوبوں کو محدود خود مختاری دی گئی اور وفاقی حکومت کے لیے ایک نظام ترتیب دیا گیا۔ اس ایکٹ کی بنیاد پر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بھی ہوئے جن میں کانگریس اور مسلم لیگ نے حصہ لیا۔ اگرچہ یہ ایکٹ مکمل آزادی نہیں دیتا تھا، لیکن اس نے ہندوستانیوں کو سیاسی شعور دیا اور آزادی کی تحریک کو مزید تیز کر دیا۔ اسی ایکٹ نے بعد میں 1947ء کے آئین پاکستان کی بنیاد فراہم کی۔

سوال نمبر 3: ابتدائی دور میں دہلی کے کسی ادبی رسالے میں اقبال کا کلام

سب سے پہلے چھپا؟

علامہ اقبال کا کلام سب سے پہلے مشہور ادبی رسالے ”مخزن“ میں شائع ہوا، جس کے مدیر شیخ عبدالقادر تھے۔ ”مخزن“ نے اقبال کی شاعری کو ادبی دنیا میں متعارف کرایا۔ اقبال کی نظم ”نالہ یتیم“ اور ”ہمالہ“ نے انہیں راتوں رات شہرت بخشی۔ اس رسالے نے نوجوان اقبال کے خیالات، ان کی زبان کی پختگی اور فلسفیانہ انداز کو اجاگر کیا۔ اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطن سے محبت، قومیت کا جذبہ، اور انسان دوستی نمایاں تھی جو ”مخزن“ کے ذریعے عوام تک پہنچی۔

سوال نمبر 4: علامہ کس مشہور انگریز شاعر کی نظم کے جواب میں اردو کی

طویل نظم لکھنا چاہتے تھے؟

علامہ اقبال مشہور انگریز شاعر جان ملٹن کی شہرہ آفاق نظم ”پیراڈائنز لاسٹ“ کے جواب میں اردو میں ایک طویل نظم لکھنا چاہتے تھے۔ ”پیراڈائنز لاسٹ“ میں آدم اور حوا کی نافرمانی اور جنت سے اخراج کا ذکر ہے، جبکہ

اقبال اس کے جواب میں اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی عظمت، خودی اور قرب الہی کے فلسفے کو بیان کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ انسان محض گناہ گار مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک گناہ کے بعد توبہ اور عمل صالح انسان کو دوبارہ بلندی عطا کر سکتا ہے۔

سوال نمبر 5: علامہ اقبال یورپ جانے سے پہلے کسی ملک کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے؟

یورپ جانے سے پہلے علامہ اقبال جرمنی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ جرمنی اس وقت فلسفے اور نفسیات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اقبال کو خصوصاً کانت، ہیگل، اور نطشے کے نظریات میں گہری دلچسپی تھی۔ انہوں نے بعد میں جرمنی کی یونیورسٹی آف میونخ سے فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اقبال کے جرمنی کے قیام نے ان کے فلسفہ خودی کو ایک نیا رخ دیا۔ جرمن فکر نے اقبال کو اسلامی نظریات کی سائنسی اور فلسفیانہ بنیادوں پر وضاحت کرنے کی قوت بخشی۔

سوال نمبر 6: سفر غزنی کے نقوش علامہ اقبال نے کسی اردو نظم میں پیش کیے ہیں؟

اقبال نے سفر غزنی کے نقوش اپنی مشہور نظم ”قصر غزنی“ میں پیش کیے۔ اس نظم میں انہوں نے سلطان محمود غزنوی اور حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) کی یاد کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اقبال نے لکھا کہ غزنی کی سرزمین اسلام کی عظمت اور روحانی وراثت کی علامت ہے۔ انہوں نے سلطان محمود کو ایک مجاہد اور خادم اسلام کے طور پر پیش کیا جبکہ بت خانے کو توڑنے کو باطل کے خلاف جدوجہد کا استعارہ بنایا۔ یہ نظم تاریخی شعور اور روحانی عقیدت کا حسین امتزاج ہے۔

سوال نمبر 7: نالہ یتیم انجمن حمایت اسلام کے پندرہویں سالانہ اجلاس

1900ء میں پڑھی گئی۔ یہ اجلاس کس کی زیر صدارت منعقد ہوا؟

یہ اجلاس نواب محسن الملک کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ ”نالہ یتیم“ اقبال کی ابتدائی نظموں میں سے ایک ہے جس نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔

اس نظم میں ایک یتیم بچے کی زبان سے معاشرے کی بے حسی، ظلم اور محرومیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اقبال نے اس نظم کے ذریعے عوام کو ہمدردی، انصاف اور انسانی مساوات کا پیغام دیا۔ انجمن حمایت اسلام نے ہمیشہ ایسے مصنفین کو موقع دیا جو ملت کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے، اور اقبال اس جذبے کے سب سے روشن علمبردار تھے۔

سوال نمبر 8: اقبال نے بار ایٹ لا کی ڈگری کس کالج سے حاصل کی؟

اقبال نے بار ایٹ لا کی ڈگری لنکنز ان کالج لندن سے حاصل کی۔ وہاں انہوں نے قانون کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور اخلاقیات کے مضامین میں بھی گہری دلچسپی لی۔ لندن کے قیام کے دوران اقبال نے مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھا اور اس کی کمزوریوں پر غور کیا۔ ان کے فلسفے میں اسی تجربے کا عکس نمایاں ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ مغرب مادی ترقی تو کر چکا ہے لیکن روحانی طور پر محروم ہے۔ یہی احساس بعد میں ان کی شاعری میں خودی، ایمان اور اسلامی اخلاقیات کی صورت میں ظاہر ہوا۔

سوال نمبر 9: مدیر مخزون سے مراد کون ہیں؟

مدیر ”مخزن“ سے مراد شیخ عبدالقادر ہیں۔ وہ لاہور کے ایک بااثر صحافی اور ادیب تھے۔ انہوں نے اقبال کے ابتدائی کلام کو نہ صرف شائع کیا بلکہ انہیں فکری رہنمائی بھی دی۔ اقبال اور شیخ عبدالقادر کی دوستی تاحیات قائم رہی۔ ”مخزن“ کے ذریعے اقبال نے اپنے نظریات کو عوامی سطح پر پہنچایا۔ یہی رسالہ بعد میں اردو ادب کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا کیونکہ اس نے نوجوان شعرا کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔

سوال نمبر 10: نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا۔ سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا۔ اس شعر میں شیر سے کیا مراد ہے؟

اس شعر میں ”شیر“ سے مراد مسلمان نوجوان ہے۔ اقبال یہاں اس مسلمان کو مخاطب کرتے ہیں جو ایمان، غیرت اور جہاد کے جذبے سے سرشار ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی کھوئی ہوئی خودی کو پہچان لے تو ایک بار پھر دنیا میں اسلام کی سربلندی ممکن ہے۔ ”شیر“ اقبال کے نزدیک طاقت، جرأت،

عمل اور بیداری کی علامت ہے۔ یہ شیر وہی ہے جو ماضی میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو زیر کر چکا تھا۔

سوال نمبر 11: نظم ترانہ ہندی کا پہلا نام کیا تھا؟

نظم ”ترانہ ہندی“ کا پہلا نام ”ہندوستان ہمارا“ تھا، جسے بعد میں ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“ کے نام سے شہرت ملی۔ یہ نظم 1904ء میں لکھی گئی اور اس میں ہندوستانی قوم پرستی، محبتِ وطن اور قومی اتحاد کا پیغام دیا گیا۔ اقبال نے اس نظم میں مذہب، نسل اور زبان کی تفریق کے بجائے انسانیت اور اخوت کا درس دیا۔

سوال نمبر 12: تحریک خلافت اور ترک موالات کا پروگرام کن جماعتوں نے

متحد ہو کر بنایا؟

یہ پروگرام خلافت کمیٹی اور کانگریس نے متحد ہو کر بنایا۔ اس اتحاد کا مقصد خلافت عثمانیہ کے تحفظ اور انگریز حکومت کے خلاف سیاسی دباؤ ڈالنا تھا۔

اقبال نے اس تحریک کو اسلامی اتحاد کی بنیاد سمجھا، مگر بعد میں محسوس کیا کہ ہندو رہنما مسلمانوں کے سچے خیر خواہ نہیں۔ یہی تجربہ آگے چل کر مسلم لیگ کے قیام اور نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔

سوال نمبر 13: اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں علامہ اقبال نے کن انگریزی شعراء کے کلام کے اردو تراجم پیش کیے؟

ابتدائی دور میں اقبال نے شیلے، ورڈز ورث، اور ملٹن جیسے انگریزی شعراء کے کلام کے اردو تراجم کیے۔ ان تراجم سے اقبال نے مغربی ادب کے اسلوب اور فکری انداز کو سمجھا، اور اسے اسلامی فکر کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ یہی تراجم بعد میں ان کے فکری ارتقاء کا ذریعہ بنے۔

سوال نمبر 14: 1917ء میں حیدر آباد میں علامہ اقبال کو کون سی ملازمت پیش کی گئی تھی؟

1917ء میں علامہ اقبال کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں فلسفے کے

پروفیسر کی ملازمت پیش کی گئی تھی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کی کیونکہ وہ لاہور میں اپنی ادبی و فکری سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

سوال نمبر 15: کن جماعتوں کی مسلم دشمنی نے ہندو اکثریت کے عزائم کو بے نقاب کیا؟

کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی مسلم دشمن پالیسیوں نے ہندو اکثریت کے عزائم کو ظاہر کیا۔ ان جماعتوں نے مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، جس سے مسلمانوں میں الگ قومیت کا شعور بیدار ہوا۔ یہی احساس بعد میں نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔

سوال نمبر 16: علامہ اقبال کا مرزا داغ دہلوی سے کیا تعلق تھا؟

اقبال کا مرزا داغ دہلوی سے استاد اور شاگرد کا تعلق تھا۔ اقبال نے داغ سے شاعری میں اصلاح لی۔ داغ دہلوی کی تربیت نے اقبال کی زبان میں شائستگی، روانی اور فصاحت پیدا کی۔

سوال نمبر 17: تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کا موضوع کیا ہے؟

تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کا موضوع اسلامی فکر کی ازسرنو تعبیر ہے۔ اقبال نے اس کتاب میں جدید فلسفہ، سائنس اور مذہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان عقل اور ایمان کے امتزاج سے ایک متوازن طرزِ فکر اپنائیں۔

سوال نمبر 18: دوسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر اقبال نے روم میں

کسی سابق شاہ افغانستان سے ملاقات کی؟

جی ہاں، اقبال نے روم میں شاہ نادر شاہ افغانستان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مسلمانوں کے اتحاد اور اسلامی ممالک کے باہمی تعاون پر گفتگو ہوئی۔ اقبال ہمیشہ اسلامی اخوت اور سیاسی اتحاد کے قائل تھے۔

سوال نمبر 19: علامہ اقبال نے مدراس اور حیدر آباد میں کس زبان میں

لیکچر دیے تھے؟

اقبال نے مدراس اور حیدرآباد میں انگریزی زبان میں لیکچر دیے۔ یہ لیکچرز

بعد میں کتابی صورت میں “*The Reconstruction of Religious*

Thought in Islam” کے نام سے شائع ہوئے۔ ان میں اقبال نے اسلامی فلسفہ

کو جدید علمیات کے تناظر میں بیان کیا۔

سوال نمبر 20: علامہ اقبال گورنمنٹ کالج میں کتنا عرصہ فلسفے کے

پروفیسر رہے؟

اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریباً پانچ سال فلسفے کے پروفیسر رہے۔ وہاں

انہوں نے منطق، نفسیات، اور فلسفہ اخلاق کے مضامین پڑھائے۔ ان کی تعلیم و

تدریس نے ایک پوری نسل کو فکری بیداری عطا کی۔ اقبال کا تدریسی انداز

غور و فکر اور خودی کے فلسفے پر مبنی تھا، جس نے طلبہ میں علمی جوش

پیدا کیا۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل عنوانات پر نوٹ لکھیے:

(الف) بانگِ درا کی نظموں کا نمایاں پہلو

(ب) ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

(الف) بانگِ درا کی نظموں کا نمایاں پہلو

علامہ اقبال کی پہلی شعری تصنیف بانگِ درا اردو ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ یہ مجموعہ کلام 1924ء میں شائع ہوا اور اس میں 1905ء تک کہ اقبال کے ابتدائی اور درمیانی دور کی شاعری شامل ہے۔ بانگِ درا کا مطلب ہے ”قافلے کی گھنٹی“، اور اس نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی یہ شاعری سوتی ہوئی قوم کو جگانے اور ان میں حرکت و بیداری پیدا کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ بانگِ درا تین حصوں پر مشتمل ہے، اور ہر حصہ اپنے موضوعات اور جذبات کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

پہلے حصے میں اقبال کی وہ نظمیں شامل ہیں جو وطن دوستی، انسان دوستی، اور فطرت کے حسن پر مبنی ہیں۔ جیسے ”نیا شوالہ“، ”ہمالہ“، ”گلِ رنگین“، ”بچے کی دعا“، اور ”پرندے کی فریاد“۔ ان نظموں میں اقبال ایک نرم دل شاعر

کے طور پر سامنے آتے ہیں جو انسانیت، امن، اور اخوت کے جذبات کو پروان چڑھاتے ہیں۔ ان کا ابتدائی رجحان قومی وحدت اور ہندوستانی قومیت کے فروغ کی طرف نظر آتا ہے، جس میں ہندو مسلم اتحاد کا تصور نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر نظم "ترانہ ہندی" میں وہ کہتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا

یہ اقبال کا ابتدائی دور ہے جب ان کی سوچ عالمی انسانیت اور وطن کی محبت سے بھرپور تھی۔

دوسرے حصے میں اقبال کا فکری ارتقاء شروع ہوتا ہے۔ اب وہ قومی شاعری سے بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کے احیاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس حصے میں "شکوہ"، "جوابِ شکوہ"، "طلوعِ اسلام" جیسی نظمیں شامل ہیں جو اقبال کے فکری انقلاب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ یاد دلاتے ہیں، اور انہیں ایمان، علم، اور عمل کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمان جب تک قرآن و سنت کے اصولوں پر عمل نہیں کریں گے، دنیا میں ان کی عزت و وقار بحال نہیں ہوسکے گا۔

تیسرے حصے میں اقبال کی شاعری فلسفیانہ، فکری اور انقلابی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس حصے میں وہ غلامی کے خلاف جہاد، خودی کا تصور، اور عشقِ رسول ﷺ کے فلسفے کو بیان کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک خودی کا مطلب ہے اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو پہچاننا، اپنی روح کو مضبوط بنانا، اور اپنی تقدیر خود بنانا۔ وہ کہتے ہیں:

**خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے**

بانگِ درا کی شاعری کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں انسانیت، اسلام، روحانیت، اور خودی کا پیغام یکجا ہے۔ اقبال نے اپنی نظموں کے ذریعے ایک مردِ مومن کا تصور پیش کیا، جو آزاد، خوددار، عاشقِ رسول ﷺ اور علم و عمل کا پیکر ہو۔ بانگِ درا کا ہر شعر مسلمانوں کے لیے ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ شاعری صرف الفاظ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی، خودی اور ایمان کی شمع روشن کی۔

بانگِ درا کا ایک اور نمایاں پہلو اس کی زبان اور اسلوب ہے۔ اقبال کی زبان نہایت دلکش، شگفتہ، اور معنویت سے بھرپور ہے۔ انہوں نے فارسی اور اردو کے امتزاج سے ایک نیا شعری انداز پیدا کیا جو نہایت پراثر اور روحانی کیفیت رکھتا ہے۔ اقبال کے اشعار میں استعارے، تشبیہیں، اور تمثیلات کا خوبصورت استعمال ملتا ہے جو ان کے کلام کو دلکش بناتا ہے۔ ان کی شاعری میں قرآن و حدیث کی روح جھلکتی ہے، اور ہر نظم ایک پیغام بن کر دلوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔

اس طرح بانگِ درا صرف اقبال کی شاعری کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک فکری انقلاب کی بنیاد ہے جس نے مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت یاد دلائی۔ اقبال نے بانگِ درا کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک فکری منشور دیا جس کی بنیاد ایمان، خودی، عشق، اور عمل پر ہے۔

(ب) ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

اقبال کی مشہور نظم ابلیس کی مجلسِ شوریٰ ان کے آخری دور کی فکری شاعری کا شاہکار ہے۔ یہ نظم 1936ء میں ان کی کتاب ضربِ کلیم میں شامل

ہوئی۔ اس نظم میں اقبال نے علامتی انداز میں ایک غیر معمولی فلسفیانہ گفتگو پیش کی ہے جس میں ابلیس اپنے وزیروں کے ساتھ مشورہ کر رہا ہے۔ یہ مجلس انسان کی روحانی گراوٹ، مادہ پرستی، اور جدید تہذیب کے خطرات پر طنزیہ تبصرہ ہے۔

نظم کا پس منظر یہ ہے کہ اقبال اس دور کی مغربی تہذیب کو ایک نئے فتنہ کے طور پر دیکھتے تھے۔ مغرب نے سائنس، سیاست، اور معیشت میں تو ترقی کی، مگر اس ترقی نے انسان کے دل سے ایمان، اخلاق، اور روحانیت کو چھین لیا۔ اقبال نے اسی حقیقت کو طنز و مزاح کے رنگ میں بیان کیا ہے کہ ابلیس (شیطان) کے وزراء خوش ہیں کہ انسان اب ظاہری ترقی میں مصروف ہے مگر روحانی طور پر تباہ ہو چکا ہے۔

نظم میں ابلیس کے چھ وزیر ہیں جو مختلف شعبوں پر رائے دیتے ہیں: ایک وزیر کہتا ہے کہ مذہب اب خطرہ نہیں رہا کیونکہ انسان نے مادہ پرستی اختیار کر لی ہے۔ دوسرا وزیر سیاست پر بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جمہوریت شیطان کا بہترین ہتھیار ہے کیونکہ اس سے انسان آزاد سمجھتا ہے

مگر دراصل غلام بن جاتا ہے۔ تیسرا وزیر کہتا ہے کہ سرمایہ داری نے دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، اب کسی کو روحانی نجات کی فکر نہیں۔

نظم کے آخر میں ابلیس خود کہتا ہے کہ وہ اسلام کے حقیقی پیغام سے خوفزدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن کو سمجھ لیا اور محمد ﷺ کے دین پر عمل کر لیا تو شیطان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ اقبال نے اس مکالمے کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کی تباہی کا اصل سبب ان کا دین سے دور ہونا ہے۔ اگر وہ دوبارہ اپنے ایمان، عمل، اور قرآن کی روشنی کو اپنا لیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں شکست نہیں دے سکتی۔

اقبال کی یہ نظم محض طنز نہیں بلکہ ایک فکری احتجاج ہے۔ انہوں نے اس کے ذریعے مغربی تہذیب کی کھوکھلی بنیادوں کو بے نقاب کیا۔ ان کے نزدیک مغرب نے انسان کو ترقی تو دی مگر روح چھین لی۔ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ دراصل مسلمانوں کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ اپنی روحانی اقدار کو پہچانیں اور مغربی مادہ پرستی سے بچیں۔

نظم کا اسلوب نہایت شاندار، خطیبانہ اور فکری ہے۔ اقبال نے مکالماتی انداز اختیار کیا ہے جس سے نظم میں ڈرامائی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ابلیس کی گفتگو میں

طنز بھی ہے، فلسفہ بھی، اور ایک گہرا پیغام بھی۔ نظم کے آخر میں اقبال نے مسلمانوں کے لیے امید کی کرن دکھائی ہے کہ اگر وہ قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزاریں تو ابلیس کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں گے۔

اقبال کی ابلیس کی مجلسِ شوریٰ دراصل اسلامی فلسفہ حیات کا دفاع ہے۔ یہ نظم بتاتی ہے کہ اسلام کا نظام عدل، مساوات، اور روحانیت پر مبنی ہے جبکہ مغربی نظام ظلم، مادہ پرستی، اور خود غرضی کا نمائندہ ہے۔ اقبال نے واضح کیا کہ مغربی تہذیب کے ظاہری چمک دمک کے پیچھے ایک زوال چھپا ہے، اور صرف ایمان و عشقِ رسول ﷺ ہی انسانیت کو دوبارہ سر بلند کر سکتے ہیں۔

نتیجہ:

بانگِ درا اور ابلیس کی مجلسِ شوریٰ دونوں اقبال کے فکری سفر کی علامت ہیں۔ بانگِ درا بیداری اور خودی کا پیغام دیتی ہے، جبکہ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ مغربی گمراہیوں کا پردہ چاک کرتی ہے۔ اقبال کی یہ دونوں تخلیقات اردو ادب میں نہ صرف ادبی حسن رکھتی ہیں بلکہ فکری اور انقلابی اہمیت

بھی رکھتی ہیں۔ انہوں نے شاعری کے ذریعے امتِ مسلمہ کو ایک نیا شعور
عطا کیا — شعورِ خودی، شعورِ ایمان، اور شعورِ عمل۔ یہی اقبال کا اصل پیغام
ہے جو آج بھی زندہ اور تازہ ہے۔

www.studyvillas.com

سوال نمبر 3: انسانی عظمت کے موضوع پر فکرِ اقبال کے حوالے سے ایک مفصل مضمون تحریر کیجیے۔

تمہید:

علامہ محمد اقبال برصغیر کے عظیم مفکر، شاعر، اور فلسفی تھے جنہوں نے انسان کی باطنی صلاحیتوں، خودی کے شعور، اور روحانی عظمت کو اپنی فکر و شاعری کا بنیادی موضوع بنایا۔ اقبال کے نزدیک انسان محض مٹی کا پتلا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی روح کا مظہر ہے، جو اپنے ارادے، عزم، اور ایمان کے ذریعے کائنات کی قوتوں پر قابو پا سکتا ہے۔ انسانی عظمت ان کے فلسفے کا مرکزی نقطہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانانِ ہند کو بیداری، خود اعتمادی، اور عملِ صالح کی دعوت دی۔

انسانی عظمت کا مفہوم:

انسانی عظمت سے مراد وہ بلند مقام ہے جو انسان کو عقل، شعور، روحانیت، اور عمل کے امتزاج سے حاصل ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ عظمت کسی مادی دولت یا نسلی برتری میں نہیں بلکہ انسان کے اندر پوشیدہ روحانی قوتوں

کے ادراک اور ان کے مثبت استعمال میں مضمر ہے۔ اقبال نے اپنے کلام میں بارہا انسان کو "اشرف المخلوقات" کے طور پر یاد دلایا اور کہا کہ انسان کو اپنی خودی پہچان کر وہ مقام حاصل کرنا چاہیے جہاں خدا اپنی تقدیر بھی اس سے دریافت کرے۔

اقبال کا فلسفہ خودی اور انسانی عظمت:

اقبال کے نزدیک انسانی عظمت کا سب سے اہم پہلو "خودی" ہے۔ اقبال نے کہا کہ جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو وہ خالق کائنات کے قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی مشہور نظموں اور شاعری میں "خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے، خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" اسی فلسفے کی عکاسی کرتی ہے۔ خودی اقبال کے نزدیک خود آگاہی، خود انحصاری، خود اعتمادی، اور اپنے مقصدِ حیات کی پہچان کا نام ہے۔

اقبال کے نزدیک خودی کی تکمیل عشقِ حقیقی سے ہوتی ہے۔ عشق وہ قوت ہے جو انسان کو بے خوف، باعزم، اور بلند حوصلہ بناتی ہے۔ انسان جب عشقِ حقیقی سے سرشار ہوتا ہے تو وہ اپنی ذات کو قربان کر کے حق کے لیے لڑتا ہے۔ یہی اقبال کی نظر میں انسانی عظمت کی معراج ہے۔

قرآن اور فکرِ اقبال میں انسان کا مقام:

اقبال کی فکر براہ راست قرآنِ حکیم سے ماخوذ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا"۔ اقبال نے اسی تعلیم کو بنیاد بنا کر کہا کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ وہ مٹی سے پیدا ہوا مگر اس کے اندر الہی نور رکھا گیا۔ یہی نور اگر بیدار ہو جائے تو انسان زمین و آسمان کی قوتوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ اقبال نے انسان کو یاد دلایا کہ وہ غلامی اور کم ہمتی سے نکل کر خود کو پہچانے، کیونکہ انسان کا مقصدِ حیات صرف جینا نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقی و روحانی مقام حاصل کرنا ہے۔

انسانی عظمت اور خود اعتمادی:

اقبال کا یقین تھا کہ جو قومیں اپنی خودی کھو دیتی ہیں، وہ غلامی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی اصل عظمت خود اعتمادی میں ہے۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو پکار کر کہا کہ تم وہ امت ہو جسے خدا نے قیادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تمہارے اندر وہ صلاحیتیں موجود ہیں جو دنیا کو علم، عدل، اور محبت دے سکتی ہیں۔

اقبال نے غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے کہا:

"نہیں ہے ناامید اقبال اپنے کشتِ ویراں سے،

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔"

یہ اشعار انسان کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کو جگانے کا پیغام دیتے ہیں۔

اقبال کی شاعری میں انسان کا تصور:

اقبال کی شاعری انسان کو عمل، جرات، اور ایمان کی راہ پر گامزن ہونے کی

ترغیب دیتی ہے۔ وہ انسان کو بتاتے ہیں کہ زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے،

اور جو شخص سستی، غفلت یا خوف میں مبتلا ہو جائے وہ اپنی اصل عظمت

کھو دیتا ہے۔

اقبال نے کہا:

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں،

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔"

یہ اشعار انسان کے لامحدود امکانات اور ترقی کے سفر کی علامت ہیں۔ اقبال

چاہتے تھے کہ انسان ہمیشہ آگے بڑھے، نئی راہیں تلاش کرے، اور کائنات کو

تسخیر کرے۔

انسانی عظمت اور عمل کا فلسفہ:

اقبال کے نزدیک انسان کی عظمت کا ایک اور اہم پہلو عمل ہے۔ اقبال محض خواب دیکھنے یا دعا کرنے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ "عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی"۔ انسان کی زندگی کا دارومدار اس کے عمل پر ہے۔ جو شخص محنت اور جدوجہد کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کو دعوتِ عمل دیتے ہوئے کہا:

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی،
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔"

انسانی عظمت اور آزادی:

اقبال آزادی کو انسانی عظمت کا لازمی جزو سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جو قومیں غلامی میں رہتی ہیں وہ اپنی روح کھو دیتی ہیں۔ انسان کی اصل شان یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کر اپنی تقدیر خود بنائے۔ اسی لیے انہوں نے کہا:

"غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں،
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں۔"

یہ اشعار انسان کو آزادی، خود مختاری، اور ایمان کی طاقت سے اپنے حالات بدلنے کا پیغام دیتے ہیں۔

انسانی عظمت اور ایمان:

اقبال کے نزدیک ایمان انسان کی روحانی طاقت ہے جو اسے بلندی عطا کرتی ہے۔ ایمان ہی وہ قوت ہے جو انسان کو خوف سے آزاد کرتی ہے اور اسے باعزم اور باکردار بناتی ہے۔ وہ ایمان کو محض عقیدہ نہیں بلکہ ایک عملی قوت سمجھتے تھے جو انسان کے اندر انقلابی تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کا مطلب ہے یقین، اعتماد، اور اللہ پر بھروسہ۔

انسانی عظمت اور خودی کی تربیت:

اقبال نے انسانی عظمت کے لیے خودی کی تربیت کو لازمی قرار دیا۔ ان کے نزدیک خودی کی تربیت تین مراحل پر مشتمل ہے: اطاعت، ضبطِ نفس، اور نیابتِ الہی۔ اطاعت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کی مرضی کے تابع ہو، ضبطِ نفس یعنی اپنی خواہشات پر قابو پائے، اور نیابتِ الہی یعنی زمین پر عدل، انصاف، اور محبت کے نظام کو قائم کرے۔ جب انسان یہ تین مراحل طے کرتا ہے تو وہ حقیقی طور پر عظمتِ انسانی حاصل کر لیتا ہے۔

اقبال کی شاعری میں مثالی انسان (مردِ مومن):

اقبال نے انسان کی عظمت کو اپنی شاعری میں "مردِ مومن" کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مردِ مومن وہ شخص ہے جو بہادر، صاحبِ یقین، عاشقِ خدا، اور بلند کردار ہو۔ اقبال کے نزدیک یہی انسان دنیا کی تقدیر بدل سکتا ہے۔ وہ مردِ مومن کو یوں بیان کرتے ہیں:

"مردِ مومن نظر آتا نہیں خاشاک میں،

اس کی تقدیر میں ہے کوکبِ تاباں ہونا۔"

مردِ مومن کی عظمت اس کی خودداری، جرأت، اور ایمان میں پوشیدہ ہے۔

اقبال کا پیغامِ انسانیت:

اقبال کا پیغام یہ ہے کہ انسان کو اپنی خودی بیدار کر کے اپنی روحانی اور اخلاقی بلندی حاصل کرنی چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کو اپنے اندر خدا کا نور تلاش کرنا چاہیے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ اقبال نے انسانیت کو عزت، احترام، اور محبت کا پیغام دیا۔ ان کی فکر میں انسان تمام مخلوقات سے برتر ہے اور وہ اپنی قوتِ ارادی سے دنیا میں خیر و صلاح پھیلا سکتا ہے۔

نتیجہ:

فکرِ اقبال میں انسانی عظمت کا تصور ایک ایسا جامع فلسفہ ہے جو انسان کو خواب سے حقیقت، غلامی سے آزادی، اور کمزوری سے طاقت کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ خدا کی تخلیق کا شاہکار ہے اور اس کا مقصد دنیا میں خیر، عدل، اور روحانیت پھیلانا ہے۔ انسانی عظمت اقبال کے نزدیک اسی وقت ممکن ہے جب انسان ایمان، عشق، خودی، اور عمل کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے۔ ان کا پیغام آج بھی ہمیں یہی دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنی خودی پہچانیں، اپنے کردار کو مضبوط کریں، اور اس دنیا میں خیر و عدل کے نظام کو قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

سوال نمبر 4: اقبال ہندی قومیت کے نہیں، اسلامی قومیت کے قائل تھے —
"بانگِ درا" کی نظموں کے حوالے سے بحث کیجیے۔

تمہید:

علامہ محمد اقبال برصغیر کے عظیم شاعر، مفکر، اور فلسفی تھے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت کا احساس دلایا۔ اقبال کی فکر کا مرکزی نکتہ "اسلامی قومیت" ہے۔ وہ ہندی قومیت یعنی رنگ، نسل یا جغرافیے پر مبنی قومیت کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک قوم کی بنیاد دین پر ہونی چاہیے، نہ کہ وطن پر۔ ان کی کتاب بانگِ درا میں اسلامی قومیت کا تصور نہایت واضح انداز میں ملتا ہے، جہاں وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی پہچان "کلمہ لا الہ الا اللہ" سے ہے، نہ کہ کسی سرحد یا زبان سے۔

ہندی قومیت کا تصور:

برصغیر میں انگریز دورِ حکومت کے دوران "ہندی قومیت" کا نعرہ زور پکڑنے لگا۔ کچھ طبقے یہ سمجھنے لگے کہ ہندوستان کے تمام لوگ، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، ایک ہی قوم ہیں کیونکہ وہ ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں۔

اقبال نے اس نظریے کی مخالفت کی۔ ان کے نزدیک "قوم" کی بنیاد مذہب، عقیدہ، اور مشترکہ تہذیب پر ہوتی ہے، نہ کہ زمین کے ایک ٹکڑے پر۔

اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے یہ واضح کیا کہ اسلام نے مسلمانوں کو ایک ایسی عالمگیر برادری میں شامل کیا ہے جو سرحدوں سے آزاد ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی شناخت "ملتِ اسلامیہ" ہے، جو ایک آفاقی تصور رکھتی ہے۔

اقبال کا تصور قومیت:

اقبال کے نزدیک قوم کی اصل بنیاد ایمان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، چاہے وہ کسی بھی ملک میں رہتے ہوں۔ ان کی زبانیں، رنگ، اور قومیتیں مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن ان کا دین اور مقصد ایک ہے۔ اقبال نے بانگِ درا میں کہا:

"اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر،

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی۔"

یہ اشعار واضح کرتے ہیں کہ اقبال مغربی قومیت کے تصور کو مسلمانوں کے

ایسے خطرناک سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک مغربی قومیت کی بنیاد وطن پر ہے، جب کہ اسلامی قومیت کی بنیاد ایمان پر ہے۔

اقبال اور ہندی قومیت کا رد:

اقبال کے نزدیک ہندی قومیت مسلمانوں کی روحانی شناخت کے منافی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان ہندوؤں کے ساتھ "ہندی قوم" کے نام پر متحد ہو جائیں، تو ان کا مذہبی تشخص ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنی نظم "نیا سوالہ" میں طنزیہ انداز میں اس خیال کی تردید کی:

"پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے،
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے۔"

یہ شعر اس دور کے "ہندی قومیت" کے نظریے پر تنقید ہے جس میں وطن کو مذہب کی طرح مقدس قرار دیا جا رہا تھا۔ اقبال کے نزدیک اس طرح کا تصور شرک کے مترادف ہے۔

اسلامی قومیت کا فلسفہ:

اقبال نے اپنی شاعری میں اسلام کو محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک اسلام صرف عبادات کا

مجموعہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی نظم و ضبط، اخلاقی تربیت، اور سیاسی نظام بھی ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان جہاں بھی ہوں، ایک امت ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں:

"ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے،

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر۔"

یہ اشعار واضح کرتے ہیں کہ اقبال ایک عالمگیر اسلامی وحدت کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک تمام مسلمان ایک ہی ملت کا حصہ ہیں اور ان کا مرکز اتحاد اسلام ہے۔

بانگِ درا میں اسلامی قومیت کے نمونے:

بانگِ درا میں متعدد نظمیں ایسی ہیں جو اسلامی قومیت کے تصور کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان میں طلوعِ اسلام، شمع و شاعر، خضرِ راہ، مسلمان اور تعلیم، اور جوابِ شکوہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان نظموں میں اقبال مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی اصل پہچان اسلام ہے، اور وہ اسی وقت دنیا میں عزت حاصل کر سکتے ہیں جب وہ قرآن و سنت کے اصولوں پر عمل کریں۔

1. طلوعِ اسلام:

یہ نظم اقبال کی فکرِ اسلامی قومیت کا بہترین مظہر ہے۔ اس نظم میں وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی عظمت اسلام سے وابستہ ہے۔ جب وہ اسلام سے دور ہوئے تو ذلت میں گرے، اور جب وہ اسلام پر عمل کریں گے تو دنیا میں دوبارہ سربلند ہوں گے۔

اقبال کہتے ہیں:

"سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا،

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔"

یہ اشعار واضح کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا اصل کام دنیا کی قیادت ہے، اور یہ قیادت ایمان، علم، اور کردار سے حاصل ہو سکتی ہے۔

2. شمع و شاعر:

اس نظم میں اقبال شاعر کو "ملت کا ترجمان" قرار دیتے ہیں۔ وہ شاعر سے کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو ان کے خوابیدہ ضمیر سے بیدار کرے، انہیں اسلام کی تعلیمات کی طرف لوٹائے، اور انہیں یہ احساس دلائے کہ ان کی عظمت اسلام سے وابستہ ہے، نہ کہ کسی جغرافیائی قومیت سے۔

3. خضرِ راہ:

اس نظم میں اقبال نے مسلمانوں کو مغرب کی تقلید سے روکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مغربی قومیت کا تصور انسان کو روحانیت سے دور کرتا ہے، جب کہ اسلام انسان کو خدا سے قریب کرتا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں:

"اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں،

مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ۔"

یہ شعر اقبال کے عقیدے کی روح ہے — وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی اصل شناخت ایمان ہے، نہ کہ وطن یا نسل۔

4. جوابِ شکوہ:

یہ نظم بھی اسلامی قومیت کے تصور کو تقویت دیتی ہے۔ اقبال نے اس نظم میں اللہ تعالیٰ کی زبان سے امتِ مسلمہ کو یاد دلایا کہ تمہاری عزت اسی وقت بحال ہو گی جب تم اپنی اسلامی روایات کی طرف لوٹو گے۔

"کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں،

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں۔"

یہ اشعار مسلمانوں کے لیے ایک اعلانِ بیداری ہیں کہ ان کی بقا اسلام اور عشقِ رسول ﷺ میں ہے۔

اقبال کے نزدیک مغربی قومیت کی خامیاں:

اقبال مغربی قومیت کے نظریے کو ایک شیطانی فریب سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک وطن پرستی نے یورپ کو جنگوں اور تباہی میں مبتلا کیا۔ وہ مسلمانوں کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ اس راستے پر نہ چلیں، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے۔

اقبال نے کہا:

"ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے،

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔"

یہ اشعار مغربی قومیت پر شدید تنقید ہیں۔ ان کے مطابق وطن پرستی مذہب اور ایمان کی روح کو ختم کر دیتی ہے۔

اسلامی قومیت کے خدوخال:

اقبال کی اسلامی قومیت تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

1. ایمان باللہ — اللہ پر یقین اور توکل۔

2. اتباع رسالت — نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل۔

3. اخوتِ اسلامی — تمام مسلمانوں کے درمیان برابری، محبت، اور اتحاد۔

ان اصولوں کے بغیر کوئی بھی قوم حقیقی معنوں میں اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

اسلامی قومیت اور آزادی کی تحریک:

اقبال کے نظریہ قومیت نے برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ انہی کے خیالات نے بعد میں دو قومی نظریے کی بنیاد رکھی۔ ان کی اسلامی قومیت ہی نے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ احساس دلایا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں جن کا دین، کلچر، اور تاریخ ہندوؤں سے مختلف ہے۔ یہی نظریہ بالآخر پاکستان کی بنیاد بنا۔

اقبال کا پیغام:

اقبال کا پیغام یہ تھا کہ مسلمان اپنی اسلامی شناخت کو کبھی نہ بھولیں۔ ان کے نزدیک ملتِ اسلامیہ ایک روحانی وحدت ہے جس کا رشتہ ایمان سے جڑا ہوا ہے۔ اگر مسلمان ایمان، عمل، اور اتحاد اختیار کریں تو وہ دنیا کی قیادت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

نتیجہ:

فکرِ اقبال میں ہندی قومیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اقبال کے نزدیک مسلمان ایک ایسی ملت ہیں جو وطن، زبان، یا نسل کے فرق سے بالا تر ہیں۔ بانگِ درا کی نظمیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اقبال کا پیغام عالمگیر اسلامی اخوت، ایمان، اور خودی کی بیداری کا ہے۔ وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی اصل پہچان "اسلام" ہے، نہ کہ کوئی زمینی سرحد۔ ان کی شاعری آج بھی ہمیں یہی پیغام دیتی ہے کہ جب تک مسلمان اپنی دینی بنیادوں پر قائم رہیں گے، وہ دنیا میں سربلند رہیں گے۔

سوال نمبر 5: 1905 تک منظرِ عام پر آنے والی اقبال کی علمی تخلیقات کا تفصیلی تعارف اور ان کی اہمیت بیان کیجیے۔

تمہید:

علامہ محمد اقبال برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم شاعر، مفکر، اور فلسفی ہیں جنہوں نے اپنی فکری و علمی خدمات کے ذریعے نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کو بیداری، خودی، اور عمل کا پیغام دیا۔ اقبال کی شاعری اور نثر دونوں میں ان کی فکری گہرائی اور فلسفیانہ وسعت نمایاں نظر آتی ہے۔ 1905 تک اقبال کی جو علمی تخلیقات منظرِ عام پر آئیں، وہ ان کے فکری ارتقاء کے ابتدائی لیکن نہایت اہم مراحل کی نمائندگی کرتی ہیں۔ انہی ابتدائی تصانیف میں بعد کے دور کی فکری عظمت کے بیج پوشیدہ تھے۔

1905 وہ سال ہے جب اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے وہ برصغیر میں علمی، ادبی، اور شعری حیثیت سے ایک معروف نام بن چکے تھے۔ اس دور کی ان کی علمی تخلیقات ان کے ذہنی سفر، فلسفیانہ رجحان، اور قومی و ملی احساسات کی واضح جھلک پیش کرتی ہیں۔

اقبال کی علمی تخلیقات 1905 تک:

اقبال کی 1905 تک منظرِ عام پر آنے والی علمی و ادبی تخلیقات کو ہم دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1. شعری تخلیقات (نظم و نثرِ شاعری)

2. نثری و علمی مضامین اور خطبات

آئیے ان دونوں حصوں کو تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

1. شعری تخلیقات (1905 تک):

اقبال کی شاعری کا ابتدائی دور ان کے نوجوانی کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے، جب وہ لاہور کے گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ان کے استاد سر توماس آرنلڈ تھے، جنہوں نے ان کے فکری اور فلسفیانہ رجحانات کو گہرا اثر دیا۔ 1905 سے پہلے اقبال کی کئی نظمیں

اخبارات اور رسائل میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان میں زیادہ تر "مخزن"، "پنجاب ریویو" اور "انجمن حمایت اسلام" کے جلسوں کے لیے لکھی گئی نظمیں تھیں۔

(الف) بانگِ درا کے ابتدائی حصے کی نظمیں:

اگرچہ بانگِ درا مجموعہ 1924 میں شائع ہوا، لیکن اس میں شامل بہت سی نظمیں 1899 سے 1905 کے درمیان کہی گئیں۔ یہ نظمیں اقبال کے ابتدائی خیالات اور ان کے رجحانِ شاعری کی آئینہ دار ہیں۔

ان نظموں میں اقبال کا طرزِ بیان رومانویت، فطرت دوستی، اور انسانی جذبات سے لبریز ہے۔ اس دور میں اقبال نے بچوں، وطن، اور اخلاقیات کے موضوعات پر نہایت خوبصورت شاعری کی۔

اہم ابتدائی نظمیں:

1. ہمالہ — یہ نظم اقبال کی پہلی نمایاں تخلیق مانی جاتی ہے جو 1899

میں رسالہ مخزن میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں اقبال نے فطرت کے حسن،

وطن کی عظمت، اور روحانی بلندیوں کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا۔

وہ کہتے ہیں:

"اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان،

چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسمان!"

اس نظم سے اقبال کے وطن سے محبت اور فطرت سے وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔

2. طلوعِ عشق، ابر، برف کے پگھلنے کی آواز، ایک پہاڑ اور گلہری — یہ

تمام نظمیں فطرت نگاری اور اخلاقی سبق سے بھرپور ہیں۔ ان میں اقبال نے علامتی انداز میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کیا ہے۔

3. بچوں کے لیے نظمیں — جیسے ایک مکڑا اور مکھی، پرندے کی

فریاد، بچے کی دعا۔

خاص طور پر بچے کی دعا ("لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری")

اقبال کی وہ نظم ہے جو آج بھی ہر مسلمان بچے کے دل میں زندہ ہے۔

اس نظم میں اقبال نے تربیتِ اولاد کا اسلامی تصور نہایت سادہ مگر پُر

اثر انداز میں بیان کیا ہے۔

4. تصورِ وطن پر نظمیں:

اقبال کا ابتدائی دور وطن دوستی سے عبارت ہے۔ ان کی مشہور نظم
"سارے جہاں سے اچھا، ہندوستان ہمارا" 1904 میں لکھی گئی۔ یہ نظم

اقبال کے ابتدائی قومی احساسات کی عکاس ہے۔

اس نظم نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں جذبہ حب الوطنی پیدا کیا۔
اقبال نے اپنے وطن کو "گلستان" سے تشبیہ دی اور لوگوں کو اتحاد و
محنت کی دعوت دی۔

"مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا،

ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا!"

تاہم بعد کے دور میں اقبال کا تصورِ وطن محدود جغرافیائی قومیت سے
نکل کر اسلامی اخوت میں تبدیل ہوا، مگر اس نظم کی تاریخی اہمیت آج
بھی برقرار ہے۔

2. نثری و علمی تخلیقات (1905 سے پہلے):

اقبال محض شاعر نہیں بلکہ ایک گہرے فلسفی اور محقق بھی تھے۔ 1905 سے پہلے انہوں نے مختلف علمی و تحقیقی مضامین لکھے جن سے ان کی فکری گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) نثری مضامین اور خطبات:

1905 تک اقبال کے کئی مضامین اور خطبات علمی و ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکے تھے۔ ان میں چند اہم تحریریں درج ذیل ہیں:

1. علم الاقتصاد (1903):

یہ اقبال کی پہلی باقاعدہ نثری تصنیف ہے جو 1903 میں لاہور میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل معاشیات (Economics) پر ایک ابتدائی درسی کتاب ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی۔

اقبال نے اس کتاب میں معاشیات کے بنیادی اصول آسان زبان میں بیان کیے۔ اس وقت برصغیر میں معاشیات کی تعلیم انگریزی زبان تک محدود تھی، اس لیے اقبال نے اسے اردو میں پیش کر کے علمی خدمت انجام

دی۔

کتاب کے موضوعات میں پیداوار، تقسیمِ دولت، محنت، سرمایہ، تجارت، اور قیمتوں کے اصول شامل ہیں۔

اہمیت:

- یہ اقبال کی علمی بصیرت اور سائنسی سوچ کی علامت ہے۔
- اس کتاب سے اقبال کے "علمی عقل" اور "معاشی شعور" کا پتہ چلتا ہے۔
- یہ تصنیف اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال کا ذہن صرف شاعری تک محدود نہیں بلکہ عملی علوم سے بھی واقف تھا۔

2. انجمنِ حمایتِ اسلام میں خطبات:

اقبال نے 1904ء تک انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں کئی خطبات اور نظمیں پیش کیں۔ ان میں انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم، خود اعتمادی، اور اجتماعی اصلاح کا پیغام دیا۔

انجمن کی تقریبات میں ان کی نظم "نیا شوالہ" اور "تصویرِ درد"

جیسے تخلیقات نے بڑا اثر ڈالا۔

3. رسالہ مخزن میں مضامین:

1901 سے 1905 تک اقبال کے کئی مضامین و اشعار معروف رسالہ مخزن میں شائع ہوئے۔ ان میں ان کے فلسفیانہ مضامین، سماجی تبصرے، اور ادبی تنقید شامل ہیں۔

یہ مضامین اقبال کی فکری سمت کو واضح کرتے ہیں۔ وہ قدیم تصورات کو جدید فلسفے کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اقبال کے فکری ارتقاء کا خلاصہ (1905 سے پہلے):

1905 سے پہلے اقبال کی فکر ابھی مکمل اسلامی فلسفے کی صورت اختیار نہیں کر سکی تھی، مگر ان کی شاعری اور علمی کام میں کئی بنیادی رجحانات ظاہر ہونے لگے تھے۔

1. فطرت پسندی:

اقبال کی ابتدائی شاعری میں فطرت سے گہری محبت نمایاں ہے۔ وہ درختوں، پہاڑوں، دریاؤں، اور پرندوں کے ذریعے انسانی جذبات اور اخلاقی سبق بیان کرتے ہیں۔

2. انسان دوستی:

اقبال انسانیت کی بھلائی کے قائل تھے۔ ان کے ابتدائی کلام میں دردِ دل، محبت، اور خیرخواہی کے جذبات نمایاں ہیں۔

3. تعلیم و تربیت کا تصور:

اقبال تعلیم کو ملتِ اسلامیہ کی ترقی کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ان کی نظم "بچے کی دعا" اسی فکر کی مظہر ہے۔

4. قومیت کا ابتدائی تصور:

اقبال کے ابتدائی دور میں وطنیت کی جھلک ملتی ہے۔ وہ ہندوستانی قوم کو اتحاد و محبت کا پیغام دیتے ہیں، مگر بعد میں وہ وطن پرستی کے

بجائے اسلامی قومیت کے قائل ہوئے۔

5. فلسفہ خودی کی بنیاد:

اگرچہ خودی کا نظریہ اقبال نے بعد کے دور میں تفصیل سے پیش کیا، مگر اس کے ابتدائی آثار ان کی ابتدائی نظموں میں موجود ہیں، جہاں وہ انسان کو اپنی قدر و قیمت پہچاننے کی دعوت دیتے ہیں۔

1905 سے پہلے کے اقبال کی علمی و ادبی اہمیت:

اقبال کی 1905 سے پہلے کی تخلیقات نہ صرف ادبی حسن رکھتی ہیں بلکہ فکری بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں جن پر ان کا بعد کا فلسفہ قائم ہوا۔

اہم نکات:

1. ان تخلیقات نے اقبال کو علمی دنیا میں متعارف کروایا۔

2. انہوں نے اردو شاعری میں فطرت، وطنیت، اور اخلاقی اقدار کو نئی جہت دی۔

3. نثری تصنیف علم الاقتصاد نے اردو میں معاشیات کی بنیاد رکھی۔

4. ان کی نظموں نے نوجوان نسل میں اخلاقی شعور اور قومی محبت کو بیدار کیا۔

5. ان کا ابتدائی کلام اسلامی بیداری کی طرف پہلا قدم تھا، جو بعد میں اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی میں مکمل فلسفے کی شکل اختیار کرتا ہے۔

نتیجہ:

1905 تک اقبال کی علمی تخلیقات ان کے فکری سفر کا پہلا باب تھیں۔ ان میں

وطن دوستی، انسانیت، اخلاق، تعلیم، اور فطرت سے محبت کے موضوعات

غالب ہیں۔ اقبال نے نہ صرف شاعری کے ذریعے قوم میں بیداری پیدا کی بلکہ

اپنی نثری کاوشوں کے ذریعے علمی دنیا میں بھی اپنی پہچان بنائی۔ انہی

ابتدائی علمی و شعری تخلیقات نے اقبال کے اندر اس فکری گہرائی کو جنم دیا

جس نے بعد میں ان کو مفکرِ اسلام، شاعرِ مشرق، اور رہبرِ ملت بنا دیا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ 1905 سے پہلے اقبال کی تخلیقات ان کے مستقبل کے

فکری شاہکاروں کے لیے بنیاد کا پتھر ثابت ہوئیں۔ ان کے قلم سے نکلے یہ

ابتدائی علمی و شعری آثار نہ صرف اردو ادب کے لیے سرمایہ ہیں بلکہ مسلم

قوم کی فکری بیداری کا پہلا روشن باب بھی۔